رسائل و مسائل

سورۂ یوسفؑ کے متعلق چند سوالات

"سورۂ یوسفؑ کے مقامات سے متعلق آپکے فہم قرآنی سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو تمکن فی الارض عطا فرمایا گیا اور وہ دائرۂ حکومت میں ایک ممتاز حیثیت سے شریک ہوگئے، لیکن ظاہر ہے کہ آپ ایک رسول تھے اس لیے فریضۂ رسالت کی سرانجام دہی بھی آپ کے لیے ضروری تھی۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے اپنی تقریر میں اسکی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی نبوت پر قومِ فرعون ایمان نہیں لائی تھی اور یہ بھی کہ آپ اپنی وفات تک ڈھیل دیتے رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے اپنی نبوت کو پیش کیا لیکن فرعون اور اسکی قوم اس پر ایمان نہ لائی۔ اسکے باوجود حضرت یوسفؑ انکی حکومت میں شریک کار رہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول ایک غیر خدائی نظامِ حکومت کا شریکِ کار کس طرح رہا، درآنحالیکہ وہ اس قوم کے سامنے اپنی نبوت بھی پیش کرچکا تھا اور اس قوم نے اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔ ایسے منکرینِ دعوتِ اسلامی کے خلاف یا تو حضرت یوسفؑ کو جہاد کرنا چاہیے تھا یا بر سبیلِ تنزل وہاں سے ہجرت لازم تھی۔ لیکن آپ نے نہ تو ہجرت ہی فرمائی اور نہ ہی ان کے خلاف جہاد کیا، بلکہ ان کے خلاف تبرّی اور بیزاری کا اعلان بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کیا آپ اس گتھی کو سلجھائیں گے؟ دوسرا مسئلہ سجدۂ تعظیمی کا ہے۔ اس پر بھی روشنی ڈالیے"

بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ دَور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گذرا ہے، قریب قریب بالکل تاریکی میں ہے، اس لیے قرآن کے اشارات کی تفصیل معلوم کرنا مشکل ہے۔ تاہم قرآن مجید نے اپنے مجمل

اشارات سے اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہنے دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حیثیت مصر میں غیر خدائی نظامِ حکومت کے "شریکِ کار" کی نہ تھی بلکہ وہی مختارِ کل تھے اور انہوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی ہی اس شرط کے ساتھ تھی کہ کل اختیارات انکے ہاتھ میں ہوں۔ اس آیت کو بغور پڑھیے :-

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم و کذٰلک مکنّا لیوسف فی الارض یتبوّأ منہا حیث یشآء

یوسف نے کہا مجھے ملک کے خزانوں پر حاکم بنا دے یقیناً میں حفاظت کرنیوالا اور واقف کار ہوں! اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں اقتدار عطا کیا کہ اسمیں جس جگہ کو چاہے اپنی جگہ بنالے۔

خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلی اختیارات کا تھا اور ملے بھی کلی اختیارات ہی "خزائن الارض" کا لفظ دیکھکر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ جگہ شاید فینانس ممبر یا ریونیو ممبر کی تھی حالانکہ دراصل اس سے مراد ملک کے جملہ وسائل (RESOURCES) ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ یہ تھا کہ سلطنت مصر کے تمام وسائل میرے اختیار میں دیے جائیں، اور اسکے نتیجہ میں جو اختیارات انہیں ملے وہ ایسے تھے کہ پھر ساری سرزمینِ مصر اُنکی تھی۔ یتبوأ منہا حیث یشآء کو بھی لوگوں نے بہت محدود معنوں میں لیا ہے۔ انکے نزدیک اس کا مفہوم بس اتنا ہے کہ حضرت یوسفؑ ہر جگہ مکان بنا لینے یا قیام کرنے کے مجاز تھے۔ حالانکہ درحقیقت اس فقرے سے یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ اس سرزمین پر حضرت یوسفؑ کا اقتدار ویسا ہی تھا جیسا ایک زمین کے مالک کو اپنی زمین پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس طرح حضرت یوسفؑ کو جو اقتدار حاصل ہوا اسکے ذریعہ سے انہوں نے ملک کے نظامِ تہذیب و تمدن و اخلاق و سیاست کو اصولِ اسلام کے مطابق تبدیل کرنیکی کیا کوشش کی اور اس میں کس قدر کامیابی ہوئی، تو اسکے متعلق کوئی تفصیل ہمیں تاریخ میں نہیں ملتی، البتہ سورۂ مائدہ کے ایک اشارہ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں حضرت یوسفؑ کا اقتدار محض ایک شخص کا عارضی اقتدار نہ تھا بلکہ آپکے بعد ایک مدت دراز تک آپ ہی کے جانشین، جو یقیناً مسلمان ہی تھے، مصر پر حکمراں رہے، اور انہیں

وہ عظمت و شوکت حاصل ہوئی جو اس دور میں دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ تھی۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں:

واذ قال موسیٰ لقومہ یٰقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیآء وجعلکم ملوکًا وّ اٰتکم مالم یؤت احدا من العٰلمین	یاد کرو جب موسےٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کیے اور تم کو فرمانروا بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس اسلامی غلبہ و تسلط کا لازمی اثر ملک کی پوری زندگی پر مترتب ہوا ہوگا۔

سورۂ مومن کی جس آیت سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قبطی قوم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، دراصل اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ وہاں ہندوستان کی سی صورت پیش آئی تھی کہ ملک کی آبادی کے ایک معتدبہ حصّہ نے اسلام قبول کیا اور بڑی اکثریت اپنے شرک پر قائم رہی، پھر جس حصّہ نے اسلام قبول کیا وہی ایک مدت تک برسرِ اقتدار رہا، مگر رفتہ رفتہ اخلاقی و اعتقادی انحطاط نے اسکو غلامی اور گمراہی کی پستیوں میں گرا دیا حتیٰ کہ غلو اور اشخاص پرستی کے فتنہ میں پڑ کر عملاً اس میں اور دوسرے مشرکین میں کوئی خاص فرق باقی نہ رہا۔ اسی چیز کی طرف مومنِ آلِ فرعون نے اشارہ کیا ہے:۔

ولقد جآءکم یوسف من قبل بالبیّنٰت فما زلتم فی شکٍّ مّمّا جآءکم بہ حتّیٰ اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولًا	اس سے پہلے یوسف تم لوگوں کے پاس صریح نشانیاں لیکر آئے تھے، مگر تم اُس چیز کے بارے میں برابر شک کرتے رہے جسے لائے تھے، پھر جب انکا انتقال ہوگیا تو تم نے کہا کہ اب انکے بعد اللہ کسی رسول کو ہرگز نہ بھیجے گا

خط کشیدہ دو فقروں میں سے پہلا فقرہ بتاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی زندگی میں ملک کی

بیشتر آبادی آپ کی نبوت کے متعلق شک میں رہی جیسا کہ اکثر انبیاء کے ساتھ ہوا ہے۔ اور دوسرے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے بعد جو لوگ آپ کے معتقد ہوئے وہ آپ کی شخصیت کے گرویدہ ہو کر غلو میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب کوئی رسول نہیں آسکتا اور اسی بنا پر انہوں نے بعد کے آنیوالے کو ماننے سے انکار کر دیا، جیسا کہ آگے چل کر یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا۔ درانحالیکہ حضرت یوسفؑ یا حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ میں سے کسی کے بعد بھی اللہ کی طرف سے ختم نبوت کا اعلان نہ ہوا تھا۔

بہرحال اس آیت سے یہ معنی نہیں نکالے جا سکتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ملک میں کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا، بلکہ دوسرے اشارات کی مدد سے قیاس یہی ہوتا ہے کہ ملک میں اہلِ ایمان کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر ایک مدت تک اسلامی نظامِ حکومت کو قائم رکھا اور وہ بعد میں بتدریج مائل انحطاط (DEGENERATE) ہوتا چلا گیا۔

حضرت یوسفؑ کو انکے والدین اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا تھا اس کی حقیقت جو میں تحقیق کر سکا ہوں، یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس مقام پر "سجدہ" کا لفظ اُس معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے جو اسلامی اصطلاح کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی زمین پر ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی ٹکانا۔ یہ اصطلاحی سجدہ تو فی الحقیقت سجدہ کی وہ مکمل صورت ہے جسے عبادتِ الٰہی کے لیے مختص کیا گیا ہے، ورنہ لغت میں اس کے معنی محض عاجزی اور نیازمندی کے ہیں جس کا اظہار کسی فعل یا حالت سے ہو سکتا ہے بنی اسرائیل کے ہاں یہ چیز آدابِ تہذیب میں داخل تھی کہ کسی کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے یا کسی کے سامنے احترام کا اظہار کرنے کے لیے اس کے آگے کھڑے ہو کر سر خم کرتے تھے اور اسے ان کی زبان میں لفظ سجود سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ توراۃ کے عربی ترجمہ میں لکھا ہے کہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے والے فرشتے جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس انسانی صورت میں پہنچے تو حضرت ابراہیمؑ انکے استقبال کے لیے نکلے اور زمین کی طرف جھکے (فلما نظر رکض لاستقبالهم من باب الخيمة